خداداد خاں مونس بحیثیت شاعر

ڈاکٹر معین الدین شاہینؔ

نزد مدرسہ سلیمانیہ، محلّہ وایاپریان، بیکانیر۔334001 (راجستھان)

خداداد خاں مونسؔ ابنِ منشی محمد ایوب خاں فضاؔ جے پوری نے اپنی خداداد صلاحیتوں کی بنیاد پر شعرائے عہدِ حاضر میں انفرادی پہچان اور مخصوص ادبی مقام بنا کر ۲۷؍دسمبر ۲۰۱۷ء کو اس دیارِ فانی کو خیر باد کہہ کر اپنا آخری سفر طے کیا۔

حضرت مونسؔ کا سلسلۂ تلمّذ دبستانِ دہلی سے وابستہ اُن شعرائے کرام سے ملتا ہے جن کی بدولت اُردو غزل کا معیار، وقار اور آبرو قائم ہے۔ ان شعرا میں ایک طرف مرزا غالبؔ کے شاگرد رشید حضرت آگاہ دہلوی کا اسمِ گرامی شامل ہے تو دوسری طرف انورؔ دہلوی سے کسب فیض کرنے والے عبدالحمید اخگر، اشفاق رسول جوہر اور منشی محمد ایوب خاں فضاؔ جیسے بزرگوں کے اسمائے گرامی قابلِ ذکر ہیں اس لیے مونسؔ کو خطّۂ راجستھان میں سلسلۂ غالبؔ کا آخری چراغ قرار دیا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔

اپنی شاعری کی ابتدا سے متعلق وضاحت وصراحت کرتے ہوئے جناب مونسؔ فرماتے ہیں کہ ''میں جب بہت چھوٹا تھا اور شاید ساتویں جماعت میں تھا تو میری خالہ فیروز پور اپنے بھائی سے ملنے گئی تھیں۔ میں انھیں اسٹیشن چھوڑنے گیا تھا۔ وہاں سے لوٹ کر میں نے خالہ جان کے نام ایک نظم لکھی تھی جو میری اوّلین کاوش تھی۔ دو شعر سُن لیجیے:

مری پیاری خالہ مری خالہ جان
مبارک قدم اور مبارک نشان

تمھیں لے گئی ریل جے پور سے
میں تکتا کا تکتا رہا دور سے

پہلی تخلیق جس کی اشاعت ہوئی وہ ۵۵-۱۹۵۴ء کی بات ہے مہاراجہ کالج میگزین میں میری نظم مہاتما گاندھی شائع ہوئی:

کون ہے وہ ہمیں آزاد کرایا جس نے
شمعِ آزادی کا پروانہ بنایا جس نے

جس وقت میگزین گھر لایا اور والد کو پیش کیا تو انھوں نے نظم پڑھی۔ پدرانہ شفقت چہرے سے ٹپک رہی تھی، مگر پیشوری آڑے آرہی تھی ایک جملہ اُس طرف سے آیا یہ کیا حرکت ہے۔ میرے لیے یہی جملہ ہمہ تحسین تھا۔''[1]

جیسا کہ بیان کیا جاچکا ہے کہ جناب مونسؔ کا سلسلۂ تلمّذ دہلوی شعرا سے ملتا ہے تاہم انھوں نے خدائے سخن میر تقی میرؔ، مرزا غالبؔ، مومن خاں مومنؔ، داغؔ دہلوی اور بعض دیگر شعرا کی پیروی کو نہ صرف باعث افتخار سمجھا بلکہ ان کے چراغوں سے اپنا چراغ روشن کرنے کی حتی المقدور کوشش کی ہے۔ اس بابت چند اشعار حاضر خدمت ہیں:

ہم ہجر میں روتے رہے آتی رہیں آنکھیں
آخر یہ نتیجہ ہوا جاتی رہیں آنکھیں

جس بزم میں کچھ کہنے سے مجبور تھے مونسؔ
اس بزم میں سب حال سناتی رہیں آنکھیں

آپ صرف کہتے ہیں، بس یہی تو مشکل ہے
پہلے سن لیا کیجیے، اور پھر کہا کیجیے

آئینہ تو پتھر ہے، آئینے کو کیوں کوسیں
آپ اپنے چہرے پر، ہاتھ رکھ لیا کیجیے

کھڑی فصلیں محبت کی جلاکر
نہ جانے کون نفرت بو گیا ہے

اس زمانے میں آپ بھی مونسؔ
کس زمانے کی بات کرتے ہیں

ان اشعار میں جو شاعرانہ اسلوب کارفرما ہے وہ مومنؔ، داغؔ، شیفتہؔ اور کسی قدر حالیؔ وغیرہ کی ہم نوائی کی غمّازی کرتا ہے۔ میر تقی میرؔ کی مشہورِ زمانہ غزل ''فقیرانہ آئے صدا کر چلے'' مونسؔ کی پسندیدہ غزلوں میں شامل رہی ہے چنانچہ انھوں نے اسی زمین میں ایک مرصّع غزل تخلیق کر کے میرؔ کو خراجِ تحسین وعقیدت پیش کرتے ہوئے اپنی فنّی بصیرت کا ثبوت فراہم کرایا ہے، مثلاً:

[1] ''راجستھان کے چند مشاہیر ادب سے تحریری گفتگو'' ص: ۵۲-۵۱، مرتبہ نذیر فتح پوری، ناشر راجپوتانہ اردو ریسرچ اکیڈمی، جے پور، سنہ اشاعت ۲۰۱۶ء

صلیبیں جو اپنی جھکا کر چلے
زمانے میں نام وفا کر چلے

پڑوسی تو بس گھر جلا کر چلے
انھیں کیا خبر ہے وہ کیا کر چلے

غموں سے ملی اُن کو مونسؔ نجات
جو خوشیوں سے پہلو بچا کر چلے

خدا داد مونسؔ کی شعر گوئی کا آغاز روایتی غزلوں سے ہوا تھا جس کا اعتراف انھوں نے بہت صاف گوئی سے کیا ہے۔ جب اُن کا شاعرانہ ذہن بالغ و بیدار ہوا تو انھوں نے روایت سے جدّت کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے اپنی شاعری کا رشتہ مقصدی اور افادی پہلوؤں سے جوڑ کر میدان شاعری میں وہ جگہ بنائی جسے قدر دانی کی نگاہوں سے دیکھا گیا۔ آگے بڑھنے سے قبل روایت، جدّت اور مقصدیت کے سلسلے میں مونسؔ کا مافی الضمیر ملاحظہ فرمائیں:

میں بھی جیتا تھا کبھی ہنسنے ہنسانے کے لیے
داستاں گل اور بلبل کی سنانے کے لیے
شاعری میری مگر اب مرثیہ ہے قوم کا
قوم کی سوئی ہوئی قسمت جگانے کے لیے

مونسؔ نے اپنی سخنوری کو شاعرانہ پہلوانی اور بھونڈے تجربوں سے محفوظ رکھا۔ کیونکہ شعر گوئی کے ذیل میں اُن کا نظریہ ہمیشہ مثبت رہا ہے۔ اُن کی تخلیقات میں اثر اور تاثیر کا پہلو ہمہ وقت موجود رہنے کے باعث انھیں میرؔ و غالبؔ کی روایتوں کا امین کہا گیا ہے۔ چند زبان زدِ خاص و عام اشعار کی وساطت سے اس امر کی غمازی ہوتی ہے، آپ بھی اُن اشعار کو ملاحظہ فرمائیے:

جیسے میں چلتا ہوں چل کر دیکھیے
جسم سے باہر نکل کر دیکھیے

جس طرح کلیاں مسلتے ہیں حضور
چند کانٹے بھی مسل کر دیکھیے

کچھ گرجنے کا سلیقہ نہ برسنے کا شعور[1]
اب تو موسم بھی ہے اِس دور کے انساں کی طرح

دنیا اُلٹ دے تو انا پھر انا رہے
منصور کی نگاہ سے جلوے انا کے دیکھ

[1] اس غزل کے متعلق پروفیسر عنوان چشتی نے کہا تھا کہ ''ایسا معلوم ہوتا ہے گویا گلاب کی سرزمین پر جمالیات کی شبنم کی بارش ہو رہی ہے۔

آپ نے یہ کبھی نہیں سوچا
ہم بھی انساں ہیں آپ ہی کی طرح

غزل کی طرح مونسؔ کی نظم گوئی بھی اپنے طرزِ ادا، موضوع و مواد اور شاعرانہ اوصاف کے پیش نظر اپنی مثال آپ ہونے کا درجہ رکھتی ہے، حالانکہ مونسؔ کی نظموں کی تعداد غزلوں کے مقابلے کم ہے، لیکن جو نظمیں جامۂ تخلیق سے آراستہ ہو کر ادبی حلقوں میں موضوع بحث اور مرکز توجہ رہیں اُن کے حوالے سے مونسؔ کا شاعرانہ مقام بہ حیثیت نظم نگار متعین کرنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ اُن کی قابل مطالعہ نظموں میں ''نیند''، ''جرم''، ''دھاکے''، ''عید ملن''، ''تعلیم نسواں''، ''ڈاکٹر اے۔ پی۔ جے عبدالکلام'' وغیرہ کا شمار کیا جا سکتا ہے۔ ان نظموں میں ایک جانب حالیؔ اور اقبالؔ جیسے اکابرین کی صدائے بازگشت سنائی دیتی ہے تو دوسری طرف ترقی پسند تحریک سے متعلق شاعروں کا تقدس بھی موجود ہے۔ مونسؔ نے اپنی نظموں میں بھی غزلوں جیسے فنّی تقاضوں اور اصولوں کا لحاظ رکھا ہے۔ تجربوں کے نام پر چھیڑ چھاڑ کرنے کے بجائے براہِ راست انداز بیان کو انھوں نے ترجیح دی ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ شاعری کا وقار مجروح ہونے سے محفوظ رہا اور نظم نگاری فضولیات کی بھینٹ چڑھنے سے بچ گئی۔ ذیل کی چند مثالیں اس سلسلے میں قابل غور ہیں:

مرا جرم یہ ہے کہ میں ہنس رہا ہوں
مرا جرم یہ ہے کہ چاہا وطن کو
مرا جرم یہ ہے کہ کہہ نہ سکا میں
کبھی اپنا رہبر کسی راہزن کو
(نظم ''جرم'' سے ماخوذ)

یہ رام جنم بھومی تو وہ خانۂ خدا
پر ہم نے درمیان میں دیوار کھینچ لی
اظہارِ دوستی تو گوارا نہ ہو سکا
بس اک نہ اک بہانے سے تلوار کھینچ لی
(نظم ''عید ملن'' سے ماخوذ)

اسی ذیل میں نظم ''تعلیم نسواں'' اور ''اے۔ پی۔ جے عبدالکلام'' کے مندرجہ ذیل اشعار بھی اپنے موضوعات کے لحاظ سے بلا کی اپیل رکھتے ہیں:

بیٹیوں کو قوم کی آگے بڑھانا چاہیے
کل کے بھارت ورش کی قسمت بنانا چاہیے
احسان ہم پہ آپ کا عبدالکلام ہے
بھارت کا آج سارے زمانے میں نام ہے

آزاد نظم نگاری کی طرف مونسؔ نے خصوصی توجہ صرف نہیں کی چونکہ وہ بنیادی طور پر غزل کے شاعر ہیں اس لیے پابند نظم کو آزاد نظم پر ترجیح دیتے ہیں، لیکن اس کے باوصف انھوں نے جو مٹھی بھر آزاد نظمیں تخلیق کیں انھیں آزاد نظم کے کامیاب اور قابلِ قدر شاعروں کی منظومات کا ہم پلّہ ہونے کا اعزاز حاصل

ہے۔ نظم ''نیند'' کے مندرجہ ذیل اشعار سے اس سلسلے میں بطورِ ثبوت ملاحظہ فرمایئے:

آنکھ کی جھیل میں پانی تو بہت تھا لیکن
نیند کا کوئی پرندہ نہیں اُترا اب کے
کوئی پتوار نہ مانجھی
نہ ہوا کا کوئی جھونکا یارب
کشتیاں آس کی ہیں
ریگزاروں میں تھکے ہارے مسافر کی طرح
اور بس
کوئی نہیں کوئی نہیں میرے سوا
دیکھنے کے لیے
تنہائی کو ڈستے ہوئے سناٹے کو
یک بیک جھنڈ سے بچھڑا ہوا ننھا سا پرند
جھیل کے ٹھہرے ہوئے پانی پہ اُترا تو اترتا ہی گیا
نیلگوں سطح پہ اک سُرخ نشاں چھوڑ گیا
حلقۂ موج رواں چھوڑ گیا
نیند کے ننھے پرندے سو جا

غزلیات و منظومات سے قطع نظر مونس کی رباعیات و قطعات بھی لائق تحسین ہیں۔ موضوعات، مواد اور طرز نگارش کے تناظر میں اُن کی رباعیات فلسفہ و حکمت اور پند و نصیحت پر اپنی صایب رائے زنی کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ محض چار مصرعوں میں مونس نے جہان معنی کو سمیٹنے کی کوشش کی ہے۔ یہاں بھی اُن کا انداز تخاطب وہی ہے جو ان کی غزلیات و منظومات کا طرۂ امتیاز کہا جاتا ہے۔ یہ معلوم ہے کہ رباعی کو صنف شاعری میں ادق گوئی کی مثال کہا جاتا ہے، لیکن مونس نے دقت طلبی اور ادق گوئی کو سلاست و روانی کا جامہ پہنا کر اپنے جوہر سخن کا لوہا منوایا ہے۔ ذیل کی رباعیات اس کی عمدہ ترین مثالیں پیش کرتی ہیں:

گیتا کو، گرنتھوں کو بھلاتے کیوں ہو
قرآن کو طاقوں میں سجاتے کیوں ہو
ہم سب کا خدا ایک اگر ہے تو اُسے
مذہب کی صلیبوں پہ چڑھاتے کیوں ہو

آسام کہ، پنجاب کہ، کشمیر نہیں
بٹنا تو مرے خواب کی تعبیر نہیں
یہ میرا وطن، سب کا وطن ہے یارو
یہ صرف کسی ایک کی جاگیر نہیں

رباعیات کی طرح قطعاتِ مونس بھی نرالی شان اور انفرادی پہچان کا درجہ رکھتے ہیں۔ ان قطعات میں رسمی و روایتی قطعات کے ساتھ قطعہ ہائے تاریخ بھی شامل ہیں جو وقتاً فوقتاً موقع و محل کے پیش نظر تخلیق ہوکر ہدیۂ ناظرین و قارئین ہوئے۔ رسمی و روایتی قطعات کے موضوعات بھی وہی ہیں جو اُن کی غزلیات، منظومات، رباعیات اور بعض دیگر اصناف کا خاصہ سمجھے جاتے ہیں حتیٰ کہ طرز ادا بھی وہی ہے جس کی تاثیر مسلّم ہے۔ انسانی ہمدردی قومی یکجہتی، وطن پرستی اور مہر و محبت جیسے عناصر کی فراوانی کے سبب ان قطعات کے طفیل مونس کو وہ مقام حاصل ہوا جو انھیں مشفق و محترم تخلیق کار کا منصب عطا کرتا ہے، اس سلسلے میں مناسب یہی ہوگا کہ میں مزید لب کشائی کے بجائے مونس کے مندرجہ ذیل قطعات پیش کرتے ہوئے قارئین سے غور و فکر و عمل کا مطالبہ کروں:

جان لے سکتے ہیں نادان چند سکّوں کے لیے
جان دے سکتے نہیں لیکن اصولوں کے لیے
بے گناہوں کے لہو کی بہہ رہی ہیں ندیاں
خون مِل سکتا نہیں لیکن مریضوں کے لیے

کیا جانے کیا ہوا اِسے کس کی نظر لگی
کوئی خوشی بھی راس نہیں میرے شہر کو
منظر تھا دل خراش مگر دیکھنا پڑا
انسانیت کا پاس نہیں میرے شہر کو

تاریخ گوئی ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں۔ یہ وہ صنف سخن ہے جو عمیق مطالعے، جی توڑ ریاضت و مشق اور جگر کے خون کا مطالبہ کرتی ہے، علم و حکمت کے دفینوں کی مثال کہے جانے والے قطعات و رباعیات مونس کی طرح اُن کے مادّہ ہائے تاریخ بھی ضوفشانی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ بعض اوقات انھوں نے ایسے مادّے بھی برآمد کیے ہیں جن کے دونوں مصرعوں سے ہجری اور عیسوی سنین نمودار ہوتے ہیں۔ کہیں کہیں محض ایک مصرعے ہی میں مادّۂ تاریخ اس ہنرمندی اور چابکدستی سے برآمد ہوتا ہے کہ بقیہ مصرعوں سے منسلک ہوکر تخلیق الہامی صورت اختیار کرلیتی ہے اور خیالات و تصورات کے تسلسل میں کسی طرح کا جھول جھال بھی نظر نہیں آتا۔ ذیل میں چند ایسی مثالیں پیش کی جارہی ہیں جو مونس کی مادّہ نگاری اور تاریخ گوئی کے ایسے اوصاف سے لبریز ہیں جو انھیں یکتائے روزگار شاعروں کی فہرست میں شمار کیے جانے کا راستہ ہموار کرتی ہیں:

سنی بانسواڑے میں جب یہ خبر
ہوا انتقال قمر واحدی
یہ سنتے ہی بجلی سی دل پر گری
ز رنج و ملال قمر واحدی
بالآخر اجل کو خیال آگیا
سنی عرضِ حال قمر واحدی

قلق ہے کہ مونس نہ کاندھا دیا
نہ دیکھا جمال قمر واحدی
سن اکانوے فروری بسنت و سہہ
ہے یومِ وصال قمر واحدی
ہے شعبان کی سات اور گیارہواں
ہے ہجرت کا سالِ قمر واحدی
اِسی غم میں تاریخِ رحلت بھی ہے
غمِ انتقال قمر واحدی

---۱۹۹۱ء---

اسی طرح جب مشیر الدین صاحب نے رحلت فرمائی تو مونس نے اس انداز میں مادۂ تاریخ برآمد کر کے انھیں خراجِ عقیدت پیش کیا:

سوچتا ہوں کہ اپنے کاندھے پر
اُس نے میّت اُٹھائی کس کس کی
لیکن اب کے تو اے اجل تونے
توڑ ڈالی کمر ہی مونس کی
صبر دے ان بلکنے والوں کو
کر عطا اُس کی روح کو تسکین
میں بھی افسوس سے کہوں تاریخ
رَبّ ارحم علیٰ مشیرالدین

---۱۴۱۳ھ---

مونس نے بعض علمی، ادبی اور سماجی شخصیات کے سانحۂ ارتحال سے متاثر ہوکر قطعہ ہائے تاریخ سے قطع نظر چند ایسی تخلیقات پیش کی ہیں جو مادّۂ تاریخ تو نہیں، لیکن ویسا ہی زورِ سخن دکھاتی ہیں۔ ان کی اس قسم کی تخلیقات دراصل یاد نگاری کے زمرے میں آتی ہیں۔ یہ نظمیں شخصی مرثیہ نگاری سے قریب تر ہونے کے ساتھ ساتھ نوحہ نگاری کے اصولوں پر بھی کھری اُترتی ہیں۔ راجستھان کے مشہور شاعر منشی چاند بہاری لال صبا کا انتقال ہوا تو مونس نے اِس سانحے کو نہ صرف مرگِ صبا یا خسارہ ادب بتایا بلکہ اس حادثے کو انھوں نے اپنے والد منشی محمد ایوب خاں فضا جے پوری کی رحلت سے تعبیر کیا:

غم ہائے روزگار سے نا آشنا، صبا
تہذیب کی کتاب، وفا آشنا، صبا
وہ گلستاں پرست فضا آشنا، صبا
وہ عاشقِ نبی وہ خدا آشنا، صبا
تم تو یہ کہہ رہے ہو صبا اپنے گھر گئے
میرے لیے جنابِ فضا آج مرگئے

(مرثیہ برانتقال صبا سے اخذ)

اسی طرح یوسف عزیز بیکانیری کے انتقالِ پُر ملال کے موقع پر مونس نے جو اشعار بعنوان ''تاثراتِ غم'' کہے وہ کسی نوحے یا شخصی مرثیے سے کم معلوم نہیں ہوتے ہیں، بطور نمونہ اس تخلیق سے ایک بند ملاحظہ فرمائیے:

بعدِ مستان و راسخ و بیدل
الفراق اے عزیزِ بیکانیر
اب ہیں لے دے کے عارف و غازی
ان کا سایہ خدا رکھے تادیر

مونس نے حمد، نعت، منقبت، سلام اور بعض دیگر اصناف کے حوالے سے مذہبی شاعری بھی کی ہے۔ ان اصناف میں انھوں نے اپنا ڈھیر سا کلام مطبوعہ وغیر مطبوعہ صورت میں بطور یادگار چھوڑا ہے۔ اُن کی نعت گوئی سے متعلق تخلیقات کا مجموعہ ''سعادت کبریٰ'' کے زیرِ عنوان منظرِ عام پر آچکا ہے۔ اس مجموعے میں ایسی عمدہ عمدہ نعت شریف شامل ہیں جو مونس کی بخشش کا ذریعہ ہوسکتی ہیں۔ ان نعتوں میں انھوں نے پیدائش رسولؐ، واقعۂ شبِ معراج اور آں حضرتؐ کے اخلاق و عادات وغیرہ پر اس انداز میں اپنا نذرانۂ عقیدت پیش کیا ہے کہ کسی طرح کا تضاد و تصادم پیدا نہیں ہوتا۔ ان نعتوں کو پڑھ کر ہمارا دھیان بہزاد لکھنوی اور محسن کاکوروی جیسے کامیاب نعت گویوں کی طرف مستقل ہوتا ہے جنھوں نے نعت گوئی کی صنف کو بامِ عروج پر پہنچایا۔ یہاں محسن کاکوروی اور بہزاد لکھنوی سے مونس کا موازنہ و تقابل مقصود نہیں ہے، راقم کا مقصد صرف یہ واضح کرنا ہے کہ ان دونوں شعرا کی طرح مونس نے بھی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات کو یکساں نظر و نظریے سے دیکھا ہے۔ مندرجہ ذیل اشعار سے اس کی بخوبی صراحت ہوتی ہے:

جشنِ پیدائش، سرکار کا ہے جاں نذر کروں
آمدِ سیّدِ ابرار ہے جاں نذر کروں
آج کی شب، شبِ اسرار ہے جاں، نذر کروں
آج تو غیب کا اظہار ہے جاں نذر کروں
پیشوائی کی گھڑی آئی بچھا دو آنکھیں
پیشواؤں کا یہ سردار ہے جاں نذر کروں
مونسا قربتِ سرکار مبارک باشد
جاں کنی رحمتِ غفار ہے جاں نذر کروں

اسی سلسلے میں مونس کے چند شعر اور ملاحظہ فرمائیں اور ان کے لیے دعائے مغفرت بھی فرمائیں کیونکہ ایسے اشعار واقعی ذریعۂ مغفرت ہوتے ہیں:

جس جا بدن سے روح نکل کر نہ جاسکے
سرکار اُس جگہ بھی گئے ہیں بدن کے ساتھ

بوسہ لے کر جرم سرزد ہوگیا
پانی پانی سنگِ اسود ہوگیا

قسمت نے یہ دن بھی دکھلایا سرکار نے مجھ کو بلوایا
سرکار کی چوکھٹ کی مٹی آنکھوں سے لگانے آیا ہوں
آقا کے مقدس ہونٹوں پر ہلکا سا تبسم کافی ہے
اس آس پہ مونس بس میں بھی یہ شعر سنانے آیا ہوں

مونس کو خواجہ معین الدین چشتیؒ سے جو والہانہ عقیدت ہے اُس سے ایک عالم واقف ہے۔ موصوف نے خواجہ صاحب سے اپنی نسبت کو پیدائشی بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ:

”خواجہ صاحب سے میری نسبت پیدائشی ہے۔ پیدائشی نام پر میں آج بھی فخر کرتا ہوں کہ یہ عطائے غریب نواز ہے۔ محمد خداداد خاں میرا تاریخی نام ہے جس کی بشارت حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے آستانہ پر حاضری کے بعد میرے والد کو بہ عالم خواب حسبِ ذیل قطعہ کی صورت میں ہوئی:

توکل پہ رہ چین سے کام رکھ
یہ فرزندِ فرخندہ فرجام رکھ
خدا نے محمدؐ کا صدقہ دیا
محمد خداداد خاں نام رکھ (۱۳۵۷ھ) [1]

یہی سبب ہے کہ اہل اجمیر نے ۴ر رجب المرجب ۱۴۲۱ھ مطابق ۳ر اکتوبر ۲۰۰۰ء کو بقول مونس: ”بین المالک ادارے غریب نواز فاؤنڈیشن اجمیر کی جانب سے اس کے صدر نے درگاہ معلی میں منعقد کل ہند سمینار میں (طوطیٔ خواجہ کا خطاب) عطا کیا۔“[2]

خواجۂ خواجگان حضرت معین الدین چشتیؒ سے متعلق مونس کی تخلیقات کی خاصی تعداد ہے جو قطعہ ہائے تاریخ اور مناقب کی صورت میں موجود ہیں، اس ذیل میں دو چار مثالیں ملاحظہ فرمائیے:

قطبِ وحدت، صدرِ بزمِ اولیاء شاہِ زمن ۱۴۲۳ھ
شاہِ خوباں حق نما خواجہ معین الدین حسن ۲۰۰۲ء

نور سب نور اُجالوں کی قبا ہے خواجہ ۱۴۲۴ھ
ہند کے دیش پہ خورشیدِ وفا ہے خواجہ ۲۰۰۳ء

جان و دل صاحبِ دل تجھ پہ فدا کرتے ہیں ۱۴۲۴ھ
تیرے شیدائی ہیں اربابِ صفا اے خواجہ ۲۰۰۳ء

خواجہ غریب نواز کے علاوہ مونس نے اپنی مناقب، قصائد، سلام اور بعض مذہبی موضوعات پر کہی گئی نظموں میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ، حضرت امام حسین، حضرت عباس علمدار اور حضرتِ زینبؓ وغیرہ سے متعلق اپنے منفرد لب و لہجے کی وساطت سے

۱ ”راجستھان کے چند مشاہیر ادب سے تحریری گفتگو، ص: ۵۳

۲ ”ایضاً، ص: ۵۳، ۵۲

خراجِ عقیدت پیش کیا ہے، حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے متعلق یہ اشعار کس قدر عقیدت و محبت سے لبریز ہیں:

متاعِ دلِ زارِ داغ علیؓ
لحد کا اُجالا چراغِ علیؓ
فراست، فصاحت، بلاغت کی جاں
محاکاتِ نہج البلاغ علیؓ
نبی ہیں مدینہ، علیؓ بابِ علم
بھلا کس نے پایا سراغ علیؓ
ہومن گفت مولا کا جس میں خمار
ہے مونس وہ روشن دماغِ علیؓ

مونس نے ”درمدحِ خلفائے راشدین بہ ترتیبِ خلافت“ میں اس طرح اپنا جذبۂ اعتقاد ظاہر کیا ہے:

حضرت ابوبکر صدیقؓ

اعزازِ خلافت میں تھے سب سے پہلے
وہ چشمِ رسالت میں تھے صدیق و حبیب
منصب کسی یار غار ہی کا ہے یہ
مرکر بھی ابوبکرؓ ہیں حضرت کے قریب

حضرت عمر فاروقؓ

انصاف کی خو عدل کی پہچان عمرؓ
اسلام کے حامی علی الاعلان عمرؓ
وہ کفر کے صحراؤں پہ ایماں کی پھوار
وہ معجزۂ آیۂ قرآن عمرؓ

حضرت عثمان غنیؓ

اِس رشتۂ تقدیس پہ حیراں کونین
اللہ رے یہ قربِ نبی الثقلین
آقا نے نکاح میں دیں دو دختر
ہیں حضرتِ عثمان غنی ذوالنورینؓ

ہر صاحبِ ایمان حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے جذبۂ ایثار و قربانی کا معترف ہے، حضرتِ مونس نے بھی امام عالی مقام اور دیگر شہدائے کربلا کے متعلق اپنی تخلیقات پیش کر کے اپنے صاحبِ ایمان ہونے کا ثبوت پیش کیا ہے:

میں ہی نہیں اُن کا تو زمانہ ہے غلام
ہے عرش کے طغروں میں بھی لکھا یہ نام
سرکار نے ’حسین منیٔ‘ کہہ کر
بتلا دیا شبیّر کا کیا کچھ ہے مقام

حضرتِ عباس علمدار کے تئیں مونس نے اس طرح اپنے عقیدے کا اظہار کیا ہے:

اسلام کے پرچم کی حفاظت عبّاس
عالم میں شجاعت کی علامت عبّاس

یوں کہیے کہ یوں فرق نہیں ہے کچھ بھی
عبّاس شجاعت ہیں، شجاعت عبّاس

عباس کے ہاتھوں میں وفا کا پرچم
ہے یہ ہی تو محبوبِ خدا کا پرچم

میدانِ قیامت میں اس اُمّت کی شناخت
بن جائے گا شاہِ شہدا کا پرچم

ماہ محرم کے منازل ومتعلقات یعنی عشرہ، محرم اور کربلا کے ذیل میں مونّس نے جو تشریحات وتوضیحات پیش کی ہیں وہ اُن کی علمیت کی غمازی کرتی ہیں، یعنی:

درباب عزا

(۱) عشرہ

محشر اسے کہیے کہ قیامت کہیے
ہر طور سے اعلانِ شفاعت کہیے
اُمّت ہے احسانِ جبینی پہ نثار
عاشور کو مغفرت کی حجت کہیے

(۲) محرم

آنکھیں سبب غم سے جو بھر آتی ہیں
بخشش کے لیے راستے دکھلاتی ہیں
اے ماہِ محرم تیری حرمت کے طفیل
شبّیر سے نزدیکیاں بڑھ جاتی ہیں

(۳) کربلا

وہ شکر وفا اور رضا کی مٹّی
توقیر ہے جس کی شہدا کی مٹّی
یارب بہ طفیل بُو تراب قبول
مٹّی مری کرلے کربلا کی مٹّی

اسی طرح ماہِ صیام کو مونّس نے ''الطاف'' سے تعبیر کیا ہے۔ اس ماہِ مقدس کے لیے انھوں نے جن احساسات وجذبات کا اظہار کیا اُن سے ایمان کو تازگی اور تقویت ملتی ہے۔ ماہِ صیام واقعی الطاف الٰہی کا مہینہ ہے، اسی مہینے میں قرآنِ مجید کا نزول ہوا اور ہزار ہا نعمتوں اور برکتوں سے اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو سرفراز کیا، یہ سرفرازی اور نوازش مونّس کی نظر میں جو درجہ ومقام رکھتی ہے اُس کی ایک جھلک ملاحظہ فرمائیے:

کتنی پُر کیف ہیں سحری کی مبارک گھڑیاں
کیا محبت بھرے رحمت کے پیام آتے ہیں
بھوک اور پیاس میں شامل ہے جو خالق کی رضا
آسمانوں سے فرشتوں کے سلام آتے ہیں
رحمتِ حق کا اُمڈتا ہوا دریا دیکھو
روزہ دارو اُٹھو قدرت کا تماشا دیکھو

اُردو کے اکثر وبیش تر شاعروں نے حمد ومناجات کے ذریعہ بارگاہِ الٰہی میں طرح طرح کی التجائیں کی ہیں تاہم مونّس نے بھی اس موقع کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا اپنی کئی تخلیقات کے توسط سے انھوں نے اللہ تعالیٰ کے حضور اپنا عریضہ پیش کیا ہے۔ اس سلسلے میں اُن کے حسبِ ذیل، برمحل اشعار ملاحظہ کیجیے:

سب کا مالک ہے تو، سب کا آقا ہے تو ربّنا ربّنا آفریں آفریں
سب سے افضل ہے تو، سب سے اعلیٰ ہے تو ربّنا ربّنا آفریں آفریں

حُسن تیرا ہی دلکش نظاروں میں ہے، تیری ہی روشنی چاند تاروں میں ہے
تیری خوشبو چمن کی بہاروں میں ہے ربّنا ربّنا آفریں آفریں

اے خدا واسطہ اپنے محبوب کا، دین و دنیا کی دولت ہمیں کر عطا
کہے مونّس دُعا مرحبا مرحبا، ربّنا ربّنا آفریں آفریں

خدا دادا خاں مونّس کے سانحۂ ارتحال سے علمی، ادبی، تہذیبی اور ثقافتی حلقوں میں ایک خلا سا پیدا ہوگیا ہے جس کی پیشین گوئی بحیثیت شاعر مرحوم نے پچھلی صدی کے ساتویں دہے میں اپنی ایک مرصع غزل کے ذریعہ کردی تھی، مونّس کی وہ غزل ساہتیہ اکادمی، اودے پور سے شائع ہونے والے جریدے ''نخلستان'' (سہ ماہی) جلد نمبر۱، شمارہ نمبر۴ میں طبع ہوئی تھی۔ موقع ومحل کی مناسبت سے چند اشعار قارئین کے ذوقِ سلیم کی نذر کی جاتی ہے:

ختم ہوجائے گی رسمِ چاک داماں میرے بعد
کیا منائے گا کوئی جشنِ بہاراں میرے بعد
چاند تارے شب کے سنّاٹے میں ڈھونڈیں گے مجھے
کون تیری یاد میں ہوگا غزل خواں میرے بعد
دے سکے گا کون اے مونّس وفا کا امتحاں
کس کا تکیہ ہوں گے یہ خارِ مغیلاں میرے بعد

محترم قارئین حضرتِ مونّس کی اس غزل کے ساتھ راقم الحروف کا زیرِ نظر مضمون بھی پایۂ تکمیل کو پہنچتا ہے۔ آپ حضرات سے اجازت لینے سے قبل ایک مرتبہ پھر ملتمس ہوں کہ ہم سب بارگاہِ الٰہی میں جناب مونّس کے لیے دُعا مغفرت کریں۔

OO